Volume 03, Issue 03,
July-September 2025
PP: 53-73
Open Access on:
www.alimanjournal.com

الایمان AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

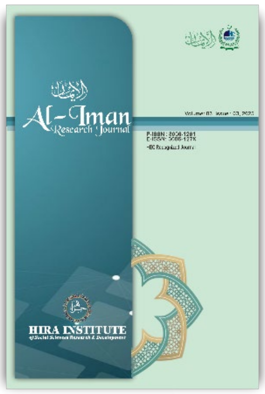

ولایت و کرامات اور تصورِ شیخ پر ناقدین تصوف کے نقد کا جائزہ

An Analysis of the Critiques of Sufi Doctrines of Sainthood (Walāyah), Miracles (Karāmāt), and the Concept of the Spiritual Master (Shaykh)

Dr. Muhammad Akram[1]*, Muhammad Saad[2]

Article History

Received
20-08-2025

Accepted
26-09-2025

Published
29-09-2025

Indexing

WORLD of JOURNALS
ASIAN Research Index
Signatory of DORA
اشاریہ اردو جرائد
ACADEMIA
Google Scholar
EuroPub

Abstract

The doctrines of walāyah (sainthood), karāmāt (miracles of the saints), and the concept of the shaykh (spiritual master) occupy a central position in Sufi thought and practice. These concepts articulate the spiritual authority of saints, their reception of extraordinary divine gifts, and the pivotal role of the shaykh in mentoring and guiding disciples along the mystical path (ṭarīqah). Historically, such notions have played a vital role in enriching Islamic spirituality, providing adherents with models of piety, discipline, and devotion that transcend the limits of purely legalistic religiosity. They also offered a framework for spiritual pedagogy, communal cohesion, and experiential proximity to the Divine. However, these doctrines have not remained uncontested. Opponents of Sufism particularly within more legalistic and orthodox circles have raised critical concerns regarding the elevation of saints to quasi-sacred status, arguing that excessive veneration risks obscuring tawḥīd (Divine Unity) and creating practices without firm grounding in the Qur'ān and Sunnah. The theological critique often centers on the boundaries between legitimate reverence and potential exaggeration (ghulūw), especially when miracles or intercessionary roles are attributed to the saints.

This study undertakes a critical examination of these debates by situating the doctrines of walāyah, karāmāt, and the shaykh within their historical and intellectual contexts. Drawing upon classical Sufi writings as well as critiques from orthodox scholars, it explores the intellectual tensions between mystical spirituality and theological orthodoxy. The findings underscore the dual role of these doctrines as both enriching Islamic spirituality and provoking enduring debates about the limits of human sanctity and religious innovation.

Keywords:

Sufism, Walāyah, Karāmāt, Shaykh, Sainthood, Miracles, Tarīqah, Tawḥīd, Islamic Mysticism, Orthodoxy.

[1] *Assistant Professor, Government College of Technology, Pindi Bhattian, Hafizabad.* ***Corresponding Author**
akramfqchfd@gmail.com
[2] *Visiting Lecturer, Government College University Faisalabad, Hafizabad Campus.*
saadrasheed101@gmail.com

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development
ROAD Directory of Open Access Scholarly Resources
OPEN ACCESS

ناقدین تصوف کے مطابق صوفیا کا تصور ولایت قرآن و سنت کے منافی ہے۔ ناقدین تصوف کی آراء کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا اور ولایت کے متعلق صوفیا کے نظریے کا جائزہ لیا جائے گا اور قرآن و سنت سے تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔ ناقدین تصوف نے کرامات پر نقد کرتے ہوئے اسے شریعت سے متضاد قرار دیا ہے۔ ناقدین تصوف کی آراء کا جائزہ لیا جائے گا اور صوفیا کی آراء کا مطالعہ کیا جائے گا۔ پھر قرآن و سنت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔

ناقدین تصوف نے تصور شیخ پر نقد کرتے ہوئے اسے الحاد قرار دیا ہے، تصور شیخ کے متعلق صوفیا کے نظریے کا جائزہ لیا جائے گا۔ پھر تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں اس کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔ تجزیاتی مطالعہ کے بعد ولایت، کرامت اور تصور شیخ کی حیثیت کو عیاں کیا جائے گا۔

ولایت پر ناقدین تصوف کے نقد کا جائزہ

ناقدین تصوف نے ولایت، تصور خاتم اولیاء اور عصمت پر نقد کیا ہے۔ ناقدین کے نقد کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا اور متعلقہ امور کی شرعی حیثیت کا تعین کیا جائے گا۔ فکر قرآنی، فکر نبوی، فکر اصحاب رسول اور تعامل امت کے افکار کی روشنی میں ناقدین کے نقد کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔ پہلی چیز ولایت کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے۔

صوفیا کے تصور ولایت پر ناقدین کے نقد کا جائزہ

غلام احمد پرویز کے نزدیک تصوف کی بنیاد ولایت کے عقیدے پر ہے اور یہی شیعیت کی بنیاد ہے اور یہ بنیاد امام شافعی رحمہ اللہ نے فراہم کی۔ غلام احمد پرویز ولایت کے تصور کو شیعیت کی پیداوار قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"امام شافعی رحمہ اللہ جنہوں نے وحی خفی کا عقیدہ وضع کیا تھا۔ شیعیت کی فضا میں پروان چڑھے تھے حتی کہ ان پر شیعیت کا الزام بھی عائد کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ سنیوں کے چار جید ائمہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی رحمہم اللہ) میں سے ایک ہیں۔ یہ حقیقت بڑی معنی خیز ہے اور مسلمانوں میں تصوف کی حقیقی ماخذ کی غمازی کرتی ہے۔ شیعیت کی بنیاد، امامت یا ولایت کے عقیدہ پر ہے۔"[1]

فکر پرویز میں ولایت کا تصور شیعیت سے ماخوذ ہے۔ تحقیق طلب امر یہ ہے کہ ولایت شیعوں کی اختراع ہے یا قرآن و سنت ولایت کی تائید کرتے ہیں۔ زیر عنوان میں ولایت کے لغوی و اصطلاحی معنی کا جائزہ لیا جائے گا اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی حیثیت کا تعین کیا جائے گا۔

زیر نظر سطور میں دیگر ناقدین تصوف کی آراء کا تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ولایت کا حقیقی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لفظ ولی قابل غور ہے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اللہ کے ولی (دوست) ہوتے ہیں۔ اور یہی بات قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[2] آگاہ رہو بلاشبہ جو اللہ کے ولی (دوست) ہیں ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ پھر ولایت یک طرفہ نہیں بلکہ اس کا معاملہ دو طرفہ ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[3] اللہ ان لوگوں کا ولی (دوست) ہے جو ایمان لائے ہیں۔ اللہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔"[4]

ڈاکٹر اسرار احمد روایتی و رسمی ولایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ کے دین کی غیرت وحمیت ہے تو یہ اللہ کی ولایت ہے یہ ہے اصل معاملہ، یہ ہے حقیقی ولایت۔ وہ ولایت نہیں ہے کہ دن سرنگوں ہو، ہوا کرے حدود اللہ پامال ہوں، ہوتی رہیں۔ شعائرِ دین کا مذاق اُڑ رہا ہو، اڑتا رہے اپنے بیوی بچے کر رہے ہوں کوئی پرواہ نہیں۔ وہ اپنے تہجد میں، اپنے نوافل میں اپنی تسبیحوں میں اور اپنے مراقبوں اور چلوں میں مگن رہے یہ ولایت نہیں۔"[5]

اولیاء کے متعلق امین احسن اصلاحی اپنی تحقیق کو "تدبر قرآن" میں یوں نقل کرتے ہیں:

"اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ الآیۃ۔۔۔ اسلوب کلام بن سے کہے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہی گروہ اللہ کے دوستوں کا گروہ ہے اور ان کے لیے آخرت میں ایک ایسی زندگی کی بشارت ہے جس میں نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا ہو گا نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ "الذین اٰمنواوکانوایتقون" اس صفت کے یہاں لانے سے مقصد اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کی دوستی اور محبت کا یہ مقام اور اس کا مذکورہ ثمرہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان کے ساتھ تقویٰ اور حدود الٰہی کی حفاظت پر قائم ودائم رہیں گے۔ یعنی یہ کسی گروہ کا اجارہ نہیں بلکہ صفات کے ساتھ مشروط ہے۔"[6]

ڈاکٹر اسرار احمد سورہ یونس کی آیت اولیاء اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے "بیان القرآن" میں لکھتے ہیں:

"یہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں۔ یہ کوئی علیحدہ نوع نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے کوئی خاص لباس زیب تن کرنے یا کوئی مخصوص حلیہ بنانے کی ضرورت ہے۔ بلکہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان حقیقی سے بہرہ مند ہوں۔ ان کے دلوں میں یقین پیدا ہو چکا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے درجہ "احسان" پر فائز ہو چکے ہوں۔"[7]

سید مودودی تصور مجدد کے مفہوم کو "تجدید واحیائے دین" میں یوں بیان کرتے ہیں:

"مجدد نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاج میں مزاج نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے۔ نہایت صاف دماغ، حقیقت رس نظر، ہر قسم کی کجی سے پاک، بالکل سیدھا ذہن، افراط وتفریط سے بچ کر توسط واعتدال کی سیدھی راہ دیکھنے اور اپنا توازن قائم رکھنے کی خاص قابلیت، اپنے ماحول اور صدیوں کے جمے اور رچے ہوئے تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنے کی قوت، زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار سے لڑنے کی طاقت وجرات، قیادت وراہ نمائی کی پیدائشی صلاحیت، اجتہاد اور تعمیر نو کی غیر معمولی صلاحیت اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اسلام میں مکمل شرح صدر، نقطہ نظر اور فہم وشعور میں پورا مسلمان ہونا۔ باریک سے باریک جذبات تک میں اسلام اور جاہلیت میں تمیز کرنا۔"[8]

غلام احمد پرویز، احسان الٰہی ظہیر اور جاوید احمد غامدی صوفیا کے تصور ولایت پر نقد کرتے ہوئے اسے قرآن وسنت سے متوازی قرار دیتے ہیں، جبکہ امین احسن اصلاحی، سید مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد صوفیا کے تصور ولایت کے قائل ہیں لیکن سید مودودی کے تصور ولایت میں مجددیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد ولی کے لیے تنفیذ اسلام اور غیرت دین اور شعائر اسلام کے تحفظ کی ذمہ داری کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ تحقیق: ولایت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

حسب ذیل لفظ ولایت کا لغوی واصطلاحی جائزہ اور قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

ولی کا لغوی معانی

علامہ حسین بن حسین بن محمد راغب اصفہانی رحمہ اللہ ولی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولایت کا معنی قرب ہے۔ خواہ یہ قرب جگہ کے اعتبار سے ہو یا نسبت کے اعتبار سے یا دین کے اعتبار سے یا دوستی کے اعتبار سے یا اعتقاد کے اعتبار سے۔ ولایت کا معنی کسی چیز کا انتظام کرنا بھی ہے اور ولی بہ معنی فاعل بھی ہے۔ یعنی منتظم اور متصرف اور مفعول کے معنی میں بھی ہے یعنی جو کسی کے زیر انتظام اور زیر تصرف ہو۔ مؤمن کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہے۔"[9]

ولی کا اصطلاحی معانی

احمد بن علی عسقلانی رحمہ اللہ "فتح الباری" میں ولی کا اصطلاحی معنی یوں بیان کرتے ہیں:

"ولی سے مراد وہ شخص ہے جو عالم باللہ ہو اور اخلاص کے ساتھ دائمی عبادت کرتا ہو"[10]

"اردو دائرہ معارف اسلامیہ" میں ولی کا اصطلاحی معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

"ولی کا لفظ دینی اصطلاح کے طور پر استعمال ہو تو اس کے معنی اللہ تعالیٰ کا قرب، خدا رسیدہ اور برگزیدہ شخص ہیں"[11]

"اردو دائرہ معارف اسلامیہ" میں سلوک و تصوف کے حوالے سے معانی یوں بیان کیے گئے ہیں:

"ولی سے مراد عارف باللہ ہے یہ شخص جہاں تک ممکن ہوتا ہے طاعات میں مداومت کرتا، معاصی سے اجتناب کرتا اور لذات و شہوات میں انہماک سے اعراض کرتا ہے"[12]

ولی کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ "مرقات" میں لکھتے ہیں:

ولی کا لفظ فعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے یعنی وہ شخص جس کے کاموں کی اللہ حفاظت کرتا ہو اور ایک لحظہ کے لیے بھی اسے اس کے نفس کے سپرد نہ کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"وھویتولی الصالحین" ترجمہ: اللہ نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔[13]

ولی کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"سنو! اللہ (کے دین) کے مددگاروں کو آخرت میں اللہ کے عتاب کا خوف نہیں ہوگا کیوں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کو اپنے عتاب سے محفوظ رکھا اور نہ ان کو دنیا کے فوت ہو جانے کا غم ہوگا اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی کا معنی ہے نصیر یعنی مدد کرنے والا"[14]

عمر تفتازانی رحمہ اللہ "شرح مقاصد" میں ولی کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ولی وہ مؤمن کامل ہے جو عارف باللہ ہوتا ہے دائمی عبادت کرتا ہے ہر قسم کے گناہوں سے مجتنب رہتا ہے لذات اور شہوات میں انہماک سے گریز کرتا ہے۔"[15]

ابوالحسن الماوردی رحمہ اللہ نے ولی کی تعریف میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

1. یہ وہ لوگ ہیں جو تقدیر پر راضی رہتے ہیں اور مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔
2. یہ وہ لوگ ہیں جن کے کام ہمیشہ حق کی موافقت میں ہوتے ہیں۔
3. یہ وہ لوگ ہیں جو محض اللہ کے لیے لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔[16]

تمام تعریفات میں ایک نقطہ مشترک ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ ہے جسے ولی کہا جاتا ہے۔

تصور ولایت آیات قرآن کی روشنی میں

آیات قرآنی کی روشنی میں تصور ولایت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے اولیاء کا یوں تذکرہ فرمایا:
اَلَااِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْف عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْن[17]

ترجمہ: سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

عن ابن عباس رضی الله عنہما قال: قيل يا رسول الله من أولياء الله؟ قال " الذين إذا رُؤُوا ذُكِرَ الله "

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اولیاء اللہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ پس فرمایا: جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔[18]

اوصاف اولیاء کے بارے ایک روایت امام طبرانی نے یوں نقل کی ہے:
عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:لَا يَحِقُّ الْعَبْدُ حَقَّ صَرِيحِ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ لِلَّهِ تَعَالَى وَيُبْغِضَ لِلَّهِ، فَإِذَا أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوَلَاءَ مِنَ اللَّهِ، وَإِنَّ أَوْلِيَاءِى مِنْ عِبَادِى وَأَحِبَّاءِى مِنْ خَلْقِى الَّذِينَ يُذْكَرُونَ بِذِكْرِى، وَأُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ[19]

ترجمہ: حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی (کسی سے) ناراض اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے (کسی سے) راضی نہ ہو۔ (یعنی اس کی رضا کا مرکز و محور فقط ذات الٰہی ہو جائے) اور جب اس نے یہ کام کر لیا تو اس نے ایمان کی حقیقت کو پا لیا اور بے شک میرے احباب اور اولیاء وہ لوگ ہیں کہ میرے ذکر سے ان کی یاد آجاتی ہے اور ان کے ذکر سے میری یاد آجاتی ہے۔

ولایت کے لغوی و اصطلاحی مفہوم اور آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچی کہ تصور ولایت شریعت اسلامیہ کی بنیادوں پر قائم ہے، منصب نبوت کے بعد قرب الٰہی کا اہم ذریعہ ہے۔ گویا صوفیا کا تصور ولایت شیعیت سے ہرگز ماخوذ نہیں بلکہ اس تصور کو قرآن و سنت کی تائید حاصل ہے۔

غلام احمد پرویز کے امام شافعی پر نقد کا جائزہ

غلام احمد پرویز نے امام شافعی رحمہ اللہ پر نقد کیا کہ انہوں نے صوفیا کو تصوف کی بنیاد یعنی ولایت کا عقیدہ فراہم کیا ہے۔ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا کہ کیا انہوں نے صوفیا کو تصوف کی بنیاد فراہم کی یا اس سے قبل بھی موجود تھی۔ قرآن و سنت سے اس بات کی تائید ہو چکی ہے۔ اب تاریخی حوالے سے جائزہ لیا جاتا ہے اور کتب صوفیا سے تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے کہ تصوف کی بنیاد کیا ہے۔

فکر پرویز میں شیعیت کی بنیاد ولایت کے عقیدے پر ہے۔ سوال یہ ہے کہ صوفیا کی بنیاد کس عقیدے پر ہے۔ کتب صوفیا سے جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ تصوف کی بنیاد کن چیزوں پر ہے۔ "عوارف المعارف" ہماری رہنمائی کرتی ہے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"شیخ نے فرمایا: تصوف کی بنیاد تین خصلتوں پر ہے: فقر اختیار کرنا، سخاوت و ایثار کرنا، اپنی کوشش اور اپنی پسند کو چھوڑ دینا"[20]

عظیم صوفی شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے نزدیک تصوف کی بنیاد ولایت کے نظریے کی بجائے فقر، ایثار اور رضائے الٰہی کے نظریے پر ہے۔

ناقدین تصوف کے ہاں پہلا صوفی ابو ہاشم عثمان بن شریک کوفی ہے جس نے رملہ میں خانقاہ تعمیر کی۔ اس کے بارے غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

"تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں پہلا شخص جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوا ابو ہاشم عثمان بن شریک تھا اور صوفیوں کی پہلی خانقاہ 140ھ میں رملہ کے قریب (جو فلسطین میں واقع ہے) قائم ہوئی۔ ابو ہاشم کوفہ کا رہنے والا تھا وہاں سے اُٹھ کر رملہ کی خانقاہ میں آگیا جہاں 160ھ میں اس کا انتقال ہوا"[21]

تصوف کی عمارت تو 140ھ تک تیار ہو کر رملہ کی خانقاہ کی شکل میں معرض وجود میں آگئی لیکن اس عمارت کی بنیاد امام شافعی رحمہ اللہ نے بعد ازاں فراہم کی، یہاں تاریخی تضاد واقع ہوا اور امام شافعی رحمہ اللہ تو حدیث کے امام ہیں نہ کہ تصوف کے امام اور ولایت کی بنیاد قرآن وسنت میں موجود ہے اور تصوف کی بنیاد کو شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

تحقیقی مطالعہ سے عیاں ہوا کہ دلائل شریعہ ولایت کا اثبات کرتے ہیں اور یہ عقیدہ شیعوں سے ہرگز ماخوذ نہیں اور یہ بنیاد امام شافعی رحمہ اللہ نے فراہم نہیں کی، قرآن وسنت نے فراہم کی ہے اور تصوف کی بنیاد فقر، سخاوت اور رضائے الٰہی پر ہے۔

کرامات پر ناقدین تصوف کے نقد کا جائزہ

کرامات پر ناقدین تصوف کے نقد کا قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔ غلام احمد پرویز کے نزدیک شریعت میں کرامت کی گنجائش نہیں۔ ان کے نزدیک ختم نبوت کے ساتھ معجزات کا ظہور بھی ختم ہو گیا۔ لہٰذا کرامت کا وجود بدرجہ اولیٰ ختم ہوا۔ غلام احمد پرویز صوفیا کی کرامات کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں شریعت میں کرامات کی گنجائش نہیں ہے۔ یوں کرامات پر نقد کرتے ہوئے اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" میں لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں عقیدہ یہ ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے (میں اس وقت معجزات سے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتا، کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ معجزہ کو نبوت کے ساتھ مختص سمجھا جاتا ہے) ختم نبوت کی رو سے جب انبیاء علیہم السلام کا آنا ختم ہو گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے معجزہ کا امکان بھی باقی نہ رہا۔ لیکن تصوف نے اس مہر کو بھی توڑا اور یہ عقیدہ وضع کیا کہ خارق عادات واقعات اب بھی ظہور میں آسکتے ہیں اور آتے ہیں۔ لیکن انہیں معجزات نہیں بلکہ کرامات کہا جاتا ہے"[22]

آصف برخیا کی کرامت اور علم لدنی کے بارے سید مودودی لکھتے ہیں:

"وہ شخص بہر حال جن کی نوع میں سے نہ تھا اور بعید نہیں کہ وہ کوئی انسان ہی ہو۔ اس کے پاس کوئی غیر معمولی علم تھا اور وہ اللہ کی کسی کتاب (الکتاب) سے ماخوذ تھا جو اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں میں اُٹھالانے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ یہ شخص علم کی طاقت سے اس کو ایک لحظہ میں اُٹھالایا۔"[23]

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ تصور کرامت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کرامت اولیاء کے لیے یہ حدیث سند ہے، نص ہے۔ اللہ جس بندے کے پاؤں بن جائے اس کی رفتار کو اپنی (Speed) سے ناپیں گے کہ وہ برق سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے کیسے چلا۔ بڑی حماقت ہے پاگل پن ہے۔ اسی طرح جس کی آنکھ بن جائے اس کے بارے میں یہ سوچا جائے کہ یہ کیسے دیکھ لیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھے کیسے شام کا میدان جنگ دیکھ لیا۔ کیسے کا سوال کسی کے ذہن میں میں آیا تو یہ حماقت اور پاگل پن ہے"[24]

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کرامات اولیاء پر دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اتقوا فَرَاسَةَ المؤمنِ، فإنه ينظرُ بنورِ اللهِ عَزَّ وجَلَّ"مؤمن کی فراست سے بچو اور ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ ارشاد ہے نبی اکرم ﷺ کا۔(X-Rays) آپ کے جسم میں سے گزر جائیں اور اس کی خفیف ترین چیز کو بھی ظاہر کر دیں تو اللہ کا نور کس کس چیز کو چیر جائے گا۔ پس اس حدیث سے اصولاً کرامات اولیاء کا اثبات ہوتا ہے۔"[25]

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ حضرت خضر علیہ السلام کے خارق عادت واقعات کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس قصہ میں مذکور تین واقعات کے حوالے سے ایک اہم بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ کے جن احکام کے مطابق اس کائنات کا نظام چل رہا ہے ان کی حیثیت تشریعی (شریعت سے متعلق) نہیں، بلکہ تکوینی (کائنات کے انتظامی امور سے متعلق) ہے ان احکام کی تنفیذ کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے اولیاء اللہ کی ارواح کو بھی ملائکہ کے طبقہ اسفل میں شامل کر دیا جاتا ہے اور وہ بھی فرشتوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ میں حصہ لیتے ہیں۔"[26]

آصف بن برخیا کے خارق عادت اور قصہ تخت بلقیس کے متعلق جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"یعنی کائنات میں کار فرما خدا کے قانون کا علم۔ یہ غالباً وہی علم تھا جو ہاروت وماروت کے ذریعے دیا گیا۔ اس کی وضاحت ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں آیت 102 کے تحت کر چکے ہیں۔ دور حاضر کے سائنس دان مادے میں کار فرما قوانین کو دریافت کر کے جس طرح کے کرشمے دکھا رہے ہیں۔ زمانہ قدیم میں اس طرح کے کرشمے نفسی علوم کے ماہرین نفس میں کار فرما قوانین کے ذریعے سے دکھاتے رہے ہیں۔ ہندو، بدھ، مسیحی اور مسلمان صوفیا کے تذکروں میں اس کے واقعات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس پر کم سے کم اس زمانے کے لوگوں کو کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے جس کے سائنس دان ہزاروں لاکھوں میل کے فاصلے سے زندہ انسانوں کی آواز، تصویریں اور نقل وحرکت چشم زدن میں اسی طرح اُٹھا لاتے ہیں جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کا یہ شخص ملکہ بلقیس کا تخت اُٹھا لایا تھا۔"[27]

غلام احمد پرویز اور احسان الٰہی ظہیر تصور کرامات کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ وہ ختم نبوت کے ساتھ ہی معجزات کے ختم ہونے کے ساتھ کرامات کو تصور قرآن وسنت کے منافی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ جاوید احمد غامدی بھی اسی فکر کے قائل ہیں مگر سورہ نمل کے تخت بلقیس کے واقعہ میں اس کرامت کے قائل ہیں اور امین احسن اصلاحی، سید مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کرامات کے قائل ہیں اور انہیں قرآن وسنت کی بنیادوں پر استوار تسلیم کرتے ہیں۔ زیر نظر عنوان میں کرامات کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔ غلام احمد پرویز کے نزدیک صوفیا نے کرامات اولیاء کا عقیدہ وضع کر کے ختم نبوت کی مہر کو توڑ کر نقب زنی کی ہے۔ تحقیق طلب امر یہ ہے کہ صوفیا کا تصور کرامات کیا ہے اور پرویز کے بیانیے کا قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔ صوفیا کے تصور ولایت اور معیار صوفی وولی کا کتب صوفیا سے تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے تاکہ صوفیا کے تصور ولایت کا ناقدین کے تصور ولایت سے موازنہ کر کے حقیقت کو عیاں کیا جائے۔

صوفیا اور تصور کرامات

امام قشیری رحمہ اللہ اپنی کتاب "رسالہ قشیریہ" میں کرامت کے بارے لکھتے ہیں:

"اور ضروری ہے کہ یہ کرامت ایسا فعل ہو جو ایام تکلیف (دنیا) میں عام عادت کے خلاف ہو اور ایسے شخص سے صادر ہو جو ولایت کے ساتھ متصف ہو تاکہ اس کی حالت سے اس کی تصدیق ہو سکے"[28]

صوفیا کے نزدیک کرامت وہ فعل ہے جو ولی کے ہاتھ سے صادر ہو۔

صوفیا کے دلائل کرامات

ابو نصر سراج الطوسی رحمہ اللہ نے "کتاب اللمع فی التصوف" میں کرامات کے دلائل کو یوں ذکر کیا ہے:

"اس ضمن میں ہماری دلیل کتاب و سنت سے ہے قول باری تعالیٰ ہے "وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا"[29] ترجمہ: اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گریں گی"

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں جریج راہب اور ایک شیر خوار بچے کے کلام کرنے کا قصہ مذکور ہے حالاں کہ جریج نبی نہیں تھے۔ تیسری دلیل حدیث غار ہے جس کے مطابق تین شخص سفر کر رہے تھے کہ رات پڑ گئی اور ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔"[30]

صوفیا کا تصور کرامت قرآن کریم سورہ مریم سے ماخوذ ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں کرامات کی حیثیت کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔ تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا ختم نبوت کے بعد شریعت اسلامیہ میں کرامات کی گنجائش موجود ہے یا قرآن و سنت اس کی تردید کرتے ہیں۔ غلام احمد پرویز کے بیانیے کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔ صوفیا کے بیان کردہ تصور کرامات اور غلام احمد پرویز کے نقد کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

مسئلہ تحقیق: کرامت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

کرامت کے لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کے بعد، مفسرین و محدثین کی آراء کا تحقیق جائزہ لیا جائے گا۔ناقدین تصوف کے نقد اور صوفیا کے تصور کرامات کے مطالعہ کے بعد حقیقت تک رسائی حاصل کی جائے گی۔

کرامت کی لغوی و اصطلاحی تعریف

"اردو دائرہ معارف" اسلامیہ میں کرامت کے بارے یوں بیان کیا گیا ہے:

"چنانچہ کرامات کے مخصوص معنی ہوئے ایک خارق عادت انعام و اکرام جس کو اللہ اپنے اولیاء کی حفظ و حمایت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں کرامات کا پتہ ان آیات میں لگایا گیا ہے فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ[31] جس میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس مقفل محراب میں خرق عادت کے طور پر آپ ہی آپ خوراک پہنچ جانے کا ذکر ہے اور وہ آیات جن میں تخت بلقیس کو ایک مصاحب سلیمان علیہ السلام کے، جس کا نام نہیں لیا گیا۔ آن کی آن میں یمن سے شام پہنچا دینے کا ذکر ہے[32] چوں کہ نہ تو حضرت مریم علیہا السلام پیغمبر تھیں اور نہ بے نام ساتھی پیغمبر تھا۔ اس لیے اس خرق عادت کو دونوں صورتوں میں معجزہ نہیں کہہ سکتے"[33]

معلوم ہوا کہ خرق عادت فعل کو کرامت کہا جاتا ہے۔

آیات قرآنی اور کرامات کے دلائل

سورۃ النمل میں تخت کے لانے کے ذکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ[34]

ترجمہ: جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس نے کہا میں اس تخت کو آپ کے پاس پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں۔ تو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن اسحاق، زہیر بن محمد وغیرہ نے کہا کہ وہ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے۔ جب آصف بن برخیا نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ وہ بلقیس کے تخت کو لے آئے تو وہ تخت زمین کے اندر سے گھسا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا"[35]

نواب صدیق حسن خان بھوپالی کہتے ہیں: یہ اولیاء اللہ کی کرامت کے جواز پر دلیل ہے۔[36]

قرآن کریم کی دوسری دلیل کرامت

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًااِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًافَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًاثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا[37] کیا سمجھا آپ نے کہ ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی۔ تو کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطاء فرما اور ہمارے کام میں ہماری کامیابی کے اسباب مہیا فرما دے۔ پھر ہم نے انہیں غار میں کئی سال تک گہری نیند سلا دیا۔ پھر ہم نے انہیں (نیند سے) اُٹھایا تا کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ غار میں ان کے ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا۔

اس آیت کے بارے امام فخر الدین محمد بن عمر رازی رحمہ اللہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

"ہمارے اصحاب صوفیا نے اس آیت سے کرامات کے قول کی صحت پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال بالکل ظاہر ہے"[38]

آیات قرآنی سے اثبات کرامت کی حیثیت عیاں ہوئی۔

مفسرین اور ثبوت کرامات

حسب ذیل ثبوت کرامات کے متعلق مفسرین کی آراء کا تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے تخت بلقیس کو آصف بن برخیا کی کرامت قرار دیا ہے کہ انہوں نے آنکھ کی پلک جھپکنے سے پہلے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا، "روح المعانی" میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے:

"شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا کہ آصف نے عین عرش (تخت) میں تصرف کیا۔ اس نے عرش کو اس کی جگہ پر معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے موجود کر دیا اور آصف کا قول ہی ان کا فعل تھا، کیوں کہ کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے کن فرمانے کے حکم میں ہے۔ شیخ اکبر نے جو ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک جائز ہے البتہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے اور اس آیت کریمہ سے اولیاء اللہ کی کرامات کے ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔"[39]

شیخ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ آصف بن برخیا کے واقعہ میں ثبوت کرامت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا علم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں آپ کسی طرف دیکھیں قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہو گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا

یہ میرے رب کا فضل ہے اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں اور چوں کہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کی اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔"[40]

شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ آصف بن برخیا کے واقعہ سے کرامت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سوال سلیمان علیہ السلام کا بطور امتحان اور اظہار عجز جنات کے ہو گا (الی قولہ) کہ آپ کو معلوم ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت صادر ہو گی اور سوال کرنا جنات کو سنانا اور دکھلانا ہو کہ جو قوت میرے مستفیدین میں ہے وہ تم میں بھی نہیں"[41]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں سے کرامت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو الشعثا، ابراہیم نخعی، ضحاک، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ وغیرہم نے کہا ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم علیہا السلام کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں دیکھتے تھے اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں دیکھتے ہیں اور اس میں اولیاء اللہ کی کرامت پر دلیل ہے اور سنت میں اس کی بہت نظائر ہیں۔"[42]

مفسرین نے آیات قرآنی سے کرامت کا تحقیقی طور پر اثبات کیا ہے۔ مفسرین کی آراء کے بعد محدثین کے کرامت کے بارے نظریے کی تحقیق کی جاتی ہے۔

مسئلہ کرامت اور تحقیق محدثین

مسئلہ کرامت کے متعلق محدثین کی آراء کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ حدیث جریج سے بدرالدین عینی رحمہ اللہ جریج کی والدہ اور جریج کی کرامت کا استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس جگہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب جریج نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے ماں کے بلانے پر نہیں جا سکا تو ماں نے اس کو بد دعاء کیوں دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جریج پر لازم تھا وہ جلدی سے نماز ختم کر کے ماں کے بلانے پر ماں کے پاس چلا جاتا لیکن وہ نماز ختم کرنے کے بعد بھی ماں کے پاس نہیں گیا حتی کہ وہ دوسرے دن پھر بلانے گئی اور وہ دوسرے دن بھی نہیں گیا حتی کہ وہ تیسرے دن پھر بلانے گئی اور جب اس کی طرف سے کوئی مثبت رد عمل ظاہر نہیں ہوا تو پھر تنگ آ کر ماں نے بد دعاء دی اور اللہ تعالی نے اس کی دعاء قبول فرمائی اور جریج ایک بدکار عورت کے فتنہ میں مبتلا ہو گیا۔ یہ اس کی ماں کی کرامت ہے اور اس میں جریج کی بھی کرامت ہے کیوں کہ اس کے کہنے سے ایک نوزائیدہ بچے نے باتیں کیں۔"[43]

حدیث جریج سے ثبوت کرامت کے حق میں اپنی تحقیق کا اظہار کرتے ہوئے قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"حدیث جریج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی نشانی ظاہر فرما کر ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑا لیتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی طلب اور ان کے اختیار سے کرامت واقع ہوتی ہے۔"[44]

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی ثبوت کرامت پر تحقیقاً لکھا ہے:

"اولیاء اللہ کی کرامت ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں"[45]

علامہ یحیی بن شرف نووی رحمہ اللہ اسی حدیث جریج میں ثبوت کرامت پر لکھتے ہیں:

"کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی طلب اور ان کے اختیار سے کرامات واقع ہوتی ہیں"[46]

حافظ احمد بن علی عسقلانی رحمہ اللہ حدیث جریج میں تحقیقی طور پر ثبوت کرامت کے حق میں نقل کرتے ہیں:

"اس حدیث میں ہر ثبوت ہے کہ جر یج کا یقین بہت قوی تھا اور اس کی امید صحیح تھی۔ کیوں کہ اس نوزائیدہ بچہ سے بولنے کے لیے کہا۔ حالاں کہ عادت یہ ہے کہ نوزائیدہ بچے کلام نہیں کرتے اور اگر جر یج کی امید صحیح نہ ہوتی تو وہ بچہ سے کلام کرنے کے لیے نہ کہتا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اولیاء اللہ مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی نجات کی سبیل پیدا کر دیتا ہے اور بعض اوقات ان کی نجات کا معاملہ مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ اس میں ان کی تہذیب کی جاتی ہے اور ان کے لیے زیادہ ثواب رکھا جاتا ہے اور اس حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت ہے کہ کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں۔"[47]

شرح نووی میں کرامت کے بارے یوں مرقوم ہے:

"بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کرامت قبولیت دعاء اور اس کی مثل کے ساتھ خاص ہے ان لوگوں کا یہ قول قطعاً غلط ہے اور مشاہدہ کا انکار ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ حقائق میں انقلاب اور شے کا عدم سے وجود میں لانے اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ساتھ کرامت کا تعلق ہوتا ہے۔"[48]

کسب اور ارادے سے ولی کی کرامت کو علامہ عینی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

"ان كرامة الولى قد تقع باختيار وطلبه هو الصحيح عند جماعة المتكلمين"

ترجمہ: ولی کی کرامت بعض اوقات اس کی طلب اور اختیار سے واقع ہوتی ہے یہ بات متکلمین کے نزدیک صحیح ہے۔[49]

اختیاری کرامت کے بارے عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فالكامل من قدر على الكرامة"

ترجمہ: اور کامل وہ شخص ہے جو کرامت پر قادر ہو۔[50]

تجزیہ

قرآن و سنت کی واضح تصریحات اور مفسرین و محدثین کی تحقیقی آراء سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا فیضان اولیاء امت کو بطور کرامت عطاء فرمایا ہے کہ باذن الٰہی اولیاء اللہ کے اختیار و ارادہ سے خرق عادت فعل وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ جو شخص معجزہ کو تسلیم نہیں کرتا اس کے لیے کرامت کا انکار انتہائی سہل امر ہے۔ غلام احمد پرویز تفسیر مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے مخاطبین یہی مطالبہ رسول اللہ ﷺ سے کرتے تھے اور خدا کی طرف سے (رسول اللہ ﷺ کی زبانی) اس کا یہ جواب ملتا تھا کہ میرا معجزہ تو یہی کتاب ہے اس کے سوا مجھے کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مخاطبین کی طرف سے یہ مطالبہ اور حضور ﷺ کی طرف سے اس جواب کو دہرایا گیا۔"[51]

روایت یاساریہ الی الجبل پر پرویز کا نقد

غلام احمد پرویز کے نزدیک یاساریہ الی الجبل کی روایت موضوع وخود ساختہ ہے۔ غلام احمد پرویز اس روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان حضرات نے کوشش کی کہ صحابہ میں کسی کی طرف اس قسم کی باتیں منسوب کر دی جائیں۔ اس لیے ان کی نگاہ انتخاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ چنانچہ ان کی ایک کرامت وضع کر ڈالی اور اسے تاریخ میں درج کر دیا۔ کہا یہ گیا کہ ایرانی مہمات میں ایک مقام پر حضرت ساریہ ایک فوجی دستے کے کمانڈر تھے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں

خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے دفعتہً پکار کر کہا: یاساریۃ الی الجبل۔ لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ آپ نے اچانک اور غیر متعلق طور پر یہ کیا کہہ دیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ساریہ کا قاصد فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ آیا۔ تو لوگوں کے پوچھنے پر اس نے کہا: ایک دن ہم ایک مہم میں مصروف تھے اور محویت کا یہ عالم کہ ہماری نگاہ ادھر ادھر اُٹھ ہی نہیں رہی تھی کہ اتنے میں ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گرج دار آواز سنی کہ یاساریۃ الی الجبل یہ سن کر ساریہ فوراً ہمیں پہاڑی کی اوٹ میں لے آئے۔"[52]

غلام احمد پرویز نے مذکورہ روایت پر نقد کرتے ہوئے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ مذکورہ روایت کی تحقیق لازم ہے کہ یہ روایت موضوع ہے یا صحیح الاسناد والمتن ہے۔

تحقیق روایت ساریہ

امام احمد رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کو فضائل صحابہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

"عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: أنَّ عُمرَ رضی اللہ عنہ وجَّہَ جیشًا ورأَّسَ علیہم رجلًا یقال لہ: "ساریۃُ"، قال: فبینما عمرُ یخطبُ، فجعل یُنادی: یا ساریۃالجبلَ، یا ساریۃ الجبلَ "ثلاثًا "، ثم قدم رسولُ الجیشِ فسألَہ عمرُ؟ فقال: یا أمیرَ المؤمنین! ہُزِمْنَا، فبینما نحنُ کذلک إذ سمعنا منادیًا: یا ساریۃُ الجبلَ " ثلاثًا "، فأسنَدْنا ظُہورنا بالجبلِ، فہزمَہُمُ اللہُ"

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس کا سالار ساریہ نامی ایک شخص کو مقرر کیا۔ ایک دن آپ خطبہ دے رہے تھے کہ دوران خطبہ اچانک آپ نے پکارا: اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لو۔ (بعد میں) لشکر سے ایک قاصد آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین ہم دشمن سے لڑے اور وہ ہمیں شکست دینے کے قریب تھے کہ اچانک کسی پکارنے والے نے پکارا: اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ لو۔ ہم نے اپنی پشتیں پہاڑ کی طرف کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی۔[53]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح الاسناد والمتن قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فضائل صحابہ میں، امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابو نعیم نے بھی دلائل النبوۃ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔[5554]

موصوف نے مذکورہ حدیث کو موضوع قرار دیتے ہوئے کسی قسم کی جرح و تعدیل نہ کی اور نہ ہی ائمہ حدیث کے کسی قول کا حوالہ دیا، بلکہ اپنی طرف سے الزام عائد کر دیا کہ حدیث موضوع ہے۔ اس الزام کی تحقیق کے بعد مذکورہ روایت کا اثبات ہوا اور الزام کی تردید ثابت ہو گئی۔

تصور شیخ پر ناقدین تصوف کے نقد کا تحقیقی جائزہ

صوفیا کے تصور شیخ کو ناقدین نے اپنے نقد کا موضوع بنایا ہے وہ اسے اسلامی اصولوں سے متضاد قرار دیتے ہیں۔ سید مودودی کے نزدیک مطلق تصور شیخ حرام نہیں ہے یعنی شیخ کی محبت میں شیخ کا تصور کرے۔ لیکن اگر مرید نے تصور شیخ کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ لیا، تو ایسی صورت میں ان کے نزدیک تصور شیخ حرام ہو جائے گا۔ سید مودودی نے "تجدید و احیائے دین" میں تصور شیخ کے بارے اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کیا ہے:

"اب رہی اس تصور شیخ کی دوسری حیثیت تو مجھے اس امر میں نہ کبھی شک رہا اور نہ آج تک شک ہے کہ اس حیثیت سے یہ فعل قطعی غلط ہے خواہ اس کی نسبت کیسے ہی بڑے لوگوں کی طرف کی گئی ہو، کہتا ہوں کہ اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور بڑھانے کے ذرائع بتانے میں خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہر گز کوتاہی نہیں کی ہے پھر کیوں ہم ان کے بتائے ہوئے ذرائع پر قناعت نہ کریں اور ایسے ذرائع ایجاد کرنے لگیں جو نجانے خود بھی مخدوش ہوں اور جن کے اندر ذرا سی بے احتیاطی آدمی کو قطعی اور صریح ضلالتوں کی طرف لے جاسکتی ہو۔"[56]

امین احسن اصلاحی تصور شیخ پر نقد کرتے ہوئے "تزکیہ نفس" میں لکھتے ہیں:

"ہر شخص جانتا ہے کہ تصور شیخ کو محبت الٰہی کا ایک زینہ سمجھا گیا ہے اور ہمارے صوفیانہ لٹریچر میں اس کی جو توجیہ عموماً کی گئی ہے اس کی روشنی میں یہ کتاب و سنت کے صریح خلاف نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے قائل بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کے لائق احترام ہونے میں کوئی شخص بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔"[57]

تصور شیخ کے متعلق سید مودودی اپنی رائے "تجدید و احیائے دین" میں یوں نقل کرتے ہیں:

"تصور شیخ کے بارے میں میرا موٴقف یہ ہے کہ اس پر دو حیثیتوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے ایک بجائے خود ایک فعل ہونے کی حیثیت، دوسرے ایک ذریعہ تقرب الی اللہ ہونے کی، پہلی حیثیت میں اس فعل کے صرف جائز یا ناجائز ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور اس کے فیصلے کا انحصار اس پر ہے کہ آدمی کس نیت سے فعل کرتا ہے ایک نیت ایسی ہے جس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے حرام کہنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ دوسری نیت ایسی ہے جس کا لحاظ کرتے ہوئے یہ مشکل ہے کہ کوئی فقیہ اسے ناجائز کہہ سکے۔"[58]

امین احسن اصلاحی اس کو کتاب و سنت کے صریح خلاف قرار دیتے ہیں اور سید مودودی ایک جہت سے جائز اور ایک جہت سے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں تصور شیخ کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا کہ تصور شیخ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا شریعت ہمیں تصور شیخ کی اجازت دیتی ہے یا اس سے منع کرتی ہے۔ صوفیا کے تصور شیخ کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا اور صوفیا کے تصور شیخ کا قرآن و سنت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔ اس تصور کے فوائد و نقائص پر گفتگو کی جائے گی اور ناقدین کی آراء کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔ پھر اثبات حق کو عیاں کیا جائے گا۔

مسئلہ تحقیق: تصور شیخ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

حسب ذیل کتب صوفیا سے تصور شیخ کا تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس بات کی تحقیق کی جاتی ہے کہ صوفیا کے ہاں تصور شیخ کا معنی و مفہوم کیا ہے۔

مفہوم تصور شیخ

تصوف کے مایہ ناز صوفی اور محقق عالم دین شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تصور شیخ کے معنی و مفہوم کو یوں ذکر کرتے ہیں:

"تصور شیخ کا مفہوم عام ہے رابطہ کے مفہوم سے کیوں کہ رابطہ خاص ایک شکل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کر کے نظر قلب سے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادھ کر دیکھا جاتا ہے"[59]

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" میں "تصور شیخ" کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں:

"(طریقہ توجہ ربانی) حضرات قادریہ چشتیہ وجودیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس نسبت شریفہ کی ترتیب (اس طرح ہے) کہ اول طالب صادق اس شیخ کی صورت متبرکہ جس سے یہ نسبت شریفہ حاصل کی۔ اپنے وجود پر مثل برقع کے احاطہ کیا ہوا تصرف کرے اور اپنے وجود کو کالعدم سمجھے حتیٰ کہ یہ خودی اور کیفیت معہودہ "استغراق" کا اثر ظاہر ہو"[60]

صوفیا کے تصور شیخ کی بنیاد

صوفیا کے نزدیک فنافی الشیخ کا تصور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تصور فنافی محمد ﷺ سے ماخوذ ہے۔ اس تصور کی وضاحت شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "التکشف عن مہمات التصوف" میں یوں کی ہے:

"گو حدیث میں اس کی تشریح تو نہیں مگر غور کرنے سے استدلال سے اس کا ثبوت بہت واضح ہے یعنی حدیث کے آخر کے ٹکڑے میں جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے جوابوں کا لفظاً و معنیً "اتحاد اجوبہ نبویہ" کے ساتھ مذکور ہیں اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قلب صدیق قلب نبوی کے ساتھ ایسا متصل تھا کہ ایسا علوم واحوال کا بعینہٖ فیضان ہوتا تھا اور اس اتصال بدلیل عادت خواص فنافی الشیخ سے ہے اور خاصہ کا وجود دلیل یقینی ہے وجود ذی خاصہ کی پس جب یہ اتصال حدیث سے ثابت ہے تو یہ فنا بھی ثابت ہو گیا، جس کی حقیقت غایت تناسب مرید و شیخ میں ہے جو کہ غایت واطاعت وصحبت سے پیدا ہوتا ہے۔"[61]

شیخ تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے جو اپنا قلب قلب نبوی کے ساتھ متصل کر دیا تو درجہ فنائیت حاصل ہو گیا۔ اپنے قلب کو شیخ کے قلب کے درجے میں لے کر جانا ہے تا کہ انوار و برکات النبویہ کے نزول سے فیضان حاصل کر سکے۔ عام فہم الفاظ میں مرید کو اپنے شیخ کے قلب کے مطابق اپنے قلب کا تصفیہ کرنے کے طریقے کو فنانی الشیخ کہتے ہیں تا کہ اوصاف شیخ حاصل ہو جائیں۔ جس شیخ نے اوصاف رسول اکرم ﷺ کو اپنی زندگی کا عملی نمونہ بنایا ہے۔

احادیث اور تصور شیخ

سب سے پہلے شیخ رسول اللہ ﷺ اور مریدین صادقین صحابہ کرامؓ تھے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ احادیث مبارکہ کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا کہ کیا صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی یعنی اپنے شیخ کا تصور کیا کرتے تھے، احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں تصور شیخ کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا تا کہ تصور شیخ کی حقیقت عیاں ہو۔ صحیح مسلم کی روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ صحابہ کرامؓ بارگاہ نبوت سے آنے کے بعد آپ ﷺ کا تصور کر کے محظوظ ہوا کرتے تھے۔ انہیں تصور رسالت محمدی ﷺ سے قلوب واذہان پر انوارات کا نزول محسوس ہوتا تھا اس تصور کے بارے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

"وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى سِوَاكِهِ تَحْتَ شَفَتِهِ"[62]

ترجمہ: گویا کہ میں (چشم تصور میں) آپ ﷺ کی مسواک جو کہ ہونٹوں کے نیچے تھی دیکھ رہی ہوں۔

یوں ہی ایک روایت تصور شیخ کے متعلق حضرت غزوہ بن نعامہ جزامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم میں یوں مرقوم ہے:

حضرت غزوہ بن نعامہ جزامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایسے لگتا ہے کہ میں (اب بھی) نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ ان کے پیچھے خچر کو ایڑی لگا رہے ہیں۔[63]

احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے عیاں ہوا کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا تصور کر کے محظوظ ہوا کرتے تھے۔ یوں انہوں نے تصور شیخ کے لیے بنیادیں فراہم کیں۔

صوفیا کا تصور شیخ

سید مودودی کی فکر میں تصور شیخ قطعی اور صریح ضلالتوں کی طرف لے جاتا ہے۔ صوفیا کے اس تصور کا کتب تصوف سے جائزہ لیا جائے گا کہ کیا انہوں نے کوئی ایسی حدود و قیود متعین کی ہیں کہ تصور شیخ میں گمراہی سے بچا جا سکے یا انہوں نے اس مسئلے کو بے شتر و بے مہار چھوڑ دیا ہے۔

اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور تصور شیخ

جس شیخ کا تصور مقصود ہے اسے شریعت اسلامیہ یعنی قرآن و سنت کا عامل ہونا ضروری ہے۔ صوفیا نے تصور شیخ کی بنیادوں کو قرآن و سنت کے دلائل سے مربوط کرنے کی حتیٰ الوسع کوشش کی ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اوصاف شیخ کو یوں بیان کیا ہے:

"پس بیان ان صفات کا جو شیخ کامل میں ہونی چاہئیں یہ ہے متقی و صالح ہو، متبع سنت ہو، علم دین بقدر ضرورت جانتا ہو، کسی کامل کی خدمت میں رہ کر فائدہ باطنی حاصل کیا ہو، عقلاء و علماء اس کی طرف مائل ہوں، اس کی صحبت مؤثر ہو، اس سے مریدوں کی اصلاح ہوتی ہو"[64]

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور تصور شیخ

تصور شیخ میں شیخ کا عامل قرآن و سنت ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، ناقص شیخ کی اطاعت اور اتباع کو مرید کے لئے زہر قاتل قرار دیا گیا ہے، اس حقیقت کو مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے "مکتوبات" میں یوں بیان کیا ہے:

"اور سستی اور خرابی کا قوی ترین سبب شیخ ناقص کی طرف طلب و رجوع ہے جس نے ابھی سلوک و جذبہ کا کام مکمل نہیں کیا اور اپنے آپ کو مسند شیخی کی طرف کھینچ لایا ہے طالب کے لئے اس کی صحبت زہر قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع مہلک مرض ہے طالب کی بلند استعداد کو اس طرح کی صحبت پستی کی طرف لے آتی ہے اور بلندی سے نیچے گرا دیتی ہے۔"[65]

اس عبارت مذکورہ میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ناقص شیخ کو مرید کے لئے زہر قاتل قرار دیا ہے، تصور صرف اور صرف کامل شیخ کا جس کی سیرت و کردار رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ کی آئینہ دار ہو۔

معصومیت اور تصور شیخ

اس بات کی تحقیق کہ صوفیہ شیخ کو معصوم تصور کرتے ہیں یا انہیں عام انسان تصور کرتے ہیں، جن سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔ شیخ کی حیثیت کے بارے حتمی رائے امام قشیری رحمہ اللہ نے "رسالہ قشیریہ" میں یوں نقل کی ہے:

"مرید کے لئے مناسب نہیں کہ وہ مشائخ کے بارے "معصوم" ہونے کا عقیدہ رکھے۔ ان کی حالت پر چھوڑ دے اور اس کے بارے میں اچھا گمان رکھے اور اسے جس بات کا حکم دیا جائے اس کے بارے میں اللہ کی حدود کا لحاظ رکھے، محمود اور غیر محمود کام میں امتیاز کے لیے اس کا علم کافی ہے۔"[66]

اس عبارت میں امام قشیری نے مریدین کے نام پیغام دیا ہے کہ شیخ معصوم نہیں ہوتا بس اس کے بارے میں اچھا گمان رکھا جائے کہ وہ نیکی کا حکم دے گا۔ باقی محمود اور غیر محمود میں مرید کا علم کافی ہے وہ اچھائی اور برائی کا فیصلہ خود کر سکتا ہے الغرض صوفیہ کے ہاں شیخ کی حیثیت نبی اور رسول کی نہیں ہوتی کہ وہ معصوم ہیں اور شیخ غیر معصوم ہے۔

مقصود تصور شیخ

اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ تصور شیخ سے صوفیا کا مقصود کیا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "التکشف" میں تصور شیخ کے فوائد کو یوں ذکر کرتے ہیں:

"حقیقت اس کی شیخ سے ازدیاد صحبت ہے اور صورت اس کی شیخ کا تصور ہے جو احیاناً سبب صحبت کا ہوتا ہے اور فائدہ اس کی حقیقت کا اضافہ برکات وانوار ہے اور فائدہ اس کی مہور کا دفع خطرات ہے، مگر حقیقت وصورت دونوں میں شرط یہ ہے کہ حدود شرعیہ سے علماً وعملاً متجاوز نہ ہو۔ ورنہ معصیت وبدعت سے نسبت باطنی ہو جاوے گی"[67]

شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی عبارت سے عیاں ہوا کہ تصور شیخ کی غرض وغایت وسوسہ نفس اور خطرات قلب کو عبادت الٰہی کے وقت دفع کرنا مقصود ہے، اسی حقیقت کو ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

"تصور شیخ کوئی بالذات مطلوب نہیں صرف توجہ الی اللہ کے وقت جو وساوس مجرد کا ہجوم ہوتا ہے وہ قطع وساوس کے لئے ہے اس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے پھر اس یکسوئی سے توجہ الی اللہ کی استعداد ہو جاتی ہے پھر اس استعداد کو مقصود میں صرف کرنا اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو پھر ان حدود وقیود کی ضرورت نہیں رہتی۔[68]

شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک تصور شیخ کا نفع التفات اور استحضار کو ختم کرنا اور اس کی جگہ شیخ کے اوصاف شرعی کو اختیار کرنا ہے، اس تصور کو انہوں نے اپنی کتاب میں یوں بیان کیا ہے:

"غیر اللہ اس کے قلب سے مرتبہ علم میں نکل گیا یعنی اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا۔ بایں معنٰی کہ جیسا التفات واستحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا بلکہ ملکہ یاد داشت کا راسخ ہو گیا اور غیر سے ذہول ہو گیا۔ جیسا محبت مجازیہ میں بھی غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ محبوب یاد میں زیادہ بسا رہتا ہے غیر کی طرف کسی بڑی ہی ضرورت سے توجہ ہوتی ہے ورنہ گنجائش نہیں ہوتی"[69]

قلب سے غیر اللہ کے تصورات کو ختم کرنے کے لئے تصور شیخ کو راسخ کیا جاتا ہے کہ شیخ کے اوصاف قلب میں اُتر جاتے پھر ان صفات کو جسم پر طاری کیا جائے، حرص، طمع، کبر ونخوت، شیطانی صفات کو قلب سے اُتار کر صفات خداوندی پر عمل پیرا ہو جائے۔ صوفیہ کے خیال میں تصور شیخ محسوس بھی اور محبوب بھی ہوتا ہے اس لئے اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہو جاتے ہیں۔

شرعی حدود

شیخ نے تصور شیخ کے دو فوائد بیان کئے ہیں: ایک تو اس تصور سے وسوسے اور خطرات نفس انسان سے دور ہو جاتے ہیں، دوسرا تخلیہ قلب اور تجلیہ قلب کے باعث برکات وانوار کا نزول ہوتا ہے۔ اس سارے مرحلہ میں شیخ نے حدود شرعی کی قید لگائی ہے کہ علماً وعملاً حدود شرعیہ سے تجاوز نہیں کرے گا، گویا صوفیا کا تصور شیخ حدود شرعیہ میں وقوع پزیر ہوتا ہے۔ اس تصور شیخ میں حلول کی نفی کرتے ہوئے پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"پس اس کیفیت کو لازم پکڑے ہوئے اس صورت (شیخ) اور خیال (صور) کی معاونت سے جو کہ آئینہ روح مطلق ہے قلب حقیقی کہ حقیقت جامع انسانی سے عبارت ہے۔ کی طرف متوجہ اور وہ مطلوب حقیقی مرجع ضمیر غائب اگرچہ کسی خاص اجزاء میں حلول سے منزہ ہے لیکن اس کو اجزائے جسم انسانی (سرمایہ دار معرفت) میں سے گذشتہ کے اس صنوبری ٹکڑے (دل معرفت منزل) کے ساتھ وہ نسبت ہے کہ دوسرے اجزاء سے نہیں ہے۔[70]

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تصور شیخ کی تعریف کرنے کے بعد اس کے مقصد ومدعا کو یوں بیان کیا ہے:

"یہ تو حقیقت ہے اس کی اور فائدہ اس کا شغف ہے شیخ کے ساتھ، جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے یوں کہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے، اس لئے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں۔ لیکن لما کان ضررہ للعوام اکثر من ہذا النفع فی منھم منه اور تصور شیخ کوئی خاص شکل نہیں بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو لغتاً مفہوم ہوتی ہے محل اس کا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسد کا ہجوم ہو اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں تو منتہی اس کا علاج زیادت توجہ الی المذکور سے کرتا ہے اور متوسط زیارت توجہ الی الذکر سے کیوں کہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جائے گی۔ حسب قاعدہ فلسفیہ النفس لا تتوجه الی شیء فی آن واحد دوسری طرف نہ رہے گی"[71]

تصور شیخ کی حیثیت

اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ صوفیا کے ہاں تصور شیخ کی حیثیت کیا ہے۔ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ رحمہ اللہ نے اپنی تالیف "بصائر حکیم الامت" میں تصور شیخ کی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

"شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے خطرات دفع ہو جاتے ہیں اصل مقصود تصور حق تعالیٰ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ چوں کہ مرئی نہیں ہیں اس لئے جن لوگوں کی قوت فکریہ ضعیف ہوتی ہے ان کو یہ تصور جمتا نہیں اس لئے ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے لئے تصور شیخ تجویز کیا گیا"[72]

مذکورہ عبارت میں ڈاکٹر عبد الحیٔ رحمہ اللہ نے تصور شیخ کو وسوسے اور خطرات قلب کو دور کا سبب قرار دیا ہے تا کہ انسان توجہ نفس اور حضوری قلب کے ساتھ ذکر و اذکار اور عبادت و ریاضت الٰہی کا فریضہ سر انجام دے سکے اور یہ صرف مبتدی درجے کے لئے ہے، کامل مرید جو مراد کے درجہ کو پہنچ جائے اُسے اس تصور کی بھی ضرورت نہیں رہتی اس حقیقت کو شیخ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "التکشف عن مہمات تصوف" میں بیان کیا ہے:

"مبتدی چوں کہ غائب یعنی مذکور کی طرف زیارت توجہ کا خوگر نہیں اور ذکر گو امر حسی مشاہد و مسموع ہے اور توجہ دشوار نہیں لیکن اس کے ساتھ انجذاب طبعی نہیں اس لئے وہ جمتا نہیں۔ اس سبب سے اس کے لیے تصور شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی ہے اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہو جاتے ہیں مگر بعد اندفاع پھر اس تصور کو نہیں جماتے کہ اشغال بغیر المقصود مخل اشتغنان بالمقصود ہے۔"[73]

مذکورہ عبارات سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ تصور شیخ بالذات یعنی فی نفسہٖ مستقل چیز نہیں بلکہ توجہ الی اللہ میں اخلاص پیدا کرنے کا ذریعہ ہے جب عبادت میں اخلاص پیدا ہو جائے اور توجہ الی اللہ میں یکسوئی حاصل ہو جائے تو تصور شیخ کی منزل از خود ختم ہو جاتی ہے اور یہ صرف مبتدی کے لئے ہے کامل کے لئے تصور شیخ کا مرحلہ ہے بھی نہیں۔ تصور شیخ ذریعہ ضرور ہے لیکن مقصود بالذات نہیں، لہٰذا اس سے گمراہی تب ہو گی جب ناقص شیخ کی پیروی کی جائے گی ناقص رہنما کی جس شعبے میں پیروی ہو گی ہلاکت کا باعث ہو گی اور صوفیا نے شیخ کامل اسی کو شمار کیا ہے جو متبع سنت ہو۔

تحقیق کا جائزہ

دلائل شرعیہ ولایت کا اثبات کرتے ہیں اور یہ عقیدہ شیعوں سے ہر گز ماخوذ نہیں اور یہ بنیاد امام شافعی رحمہ اللہ نے فراہم نہیں کی اور تصوف کی بنیاد فقر اور رضائے الٰہی پر ہے۔ قرآن و سنت کے تحقیقی مطالعہ سے عیاں ہوا کہ صوفیا کا تصور کرامات، ولایت اور تصور شیخ قرآن و سنت کے تصورات پر مبنی ہے۔ تخت بلقیس آصف بن برخیا کی کرامت، اصحاب کہف کی غار میں حیات، جریج کی کرامت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ساریہ والی کرامت درایت و روایت کے اصولوں پر پوری اُترتی ہے اور تصور شیخ کو بھی احادیث مبارکہ اور تعامل صحابہ کی تائید حاصل ہے اور احوال اصحابہ پر مشتمل ہے۔ ناقدین تصوف کے خدشات کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ خدشات حسی طور پر معدوم اور فکری طور پر موجود ہیں۔ یہ ناقدین تصوف کے فکر کی اختراع ہے اور یہ عقلیت پسندی کا شاخسانہ ہے۔ سر سید احمد خان اور مستشرقین کی پیدا کردہ تشکیک ہے۔

حوالہ جات:

1 پرویز، غلام احمد، **تصوف کی حیثیت**،(لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ،2008ء)، ص54-

2 سورہ یونس62:10-

3 سورۃ البقرہ257:02-

4 احمد، اسرار، **ہماری دینی وملی ذمہ داریاں اور قرب الٰہی کے دو مراتب**،(لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن،2008ء)، ص33-

5 ایضاً، ص35-

6 اصلاحی، امین احسن، **تدبر قرآن**،(لاہور: فاران فاؤنڈیشن،2009ء)،66/4-

7 احمد، اسرار، **بیان القرآن**،(لاہور: قرآن اکیڈمی،2010ء)،33/4-

8 ابوالاعلیٰ، مودودی، **تجدید واحیائے دین**،(لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، س،ن)، ص35-36-

9 اصفہانی، حسین بن محمد، **المفردات**،(مکہ مکرمہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز،1418ھ)،694/2-

10 عسقلانی، احمد، **فتح الباری**،(لاہور: مکتبہ دار نشر الکتب الاسلامیہ،1401ھ)،342/11-

11 **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**،(لاہور: پنجاب یونیورسٹی،2010ء)،32/32-

12 ایضاً، ص33-

13 القاری، علی، **مرقاۃ**،(ملتان: مکتبہ امدادیہ،1390ھ)،54/5-

14 طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان**،(بیروت: مطبوعہ دارالفکر،1415ھ)،170/11-

15 تفتازانی، مسعود بن عمر، **شرح المقاصد**،(ایران: مطبوعہ منشورات الرضی،1409ھ)،72/5-

16 الماوردی، علی بن محمد، **النکت والعیون**،(بیروت: مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، س،ن)،440/2-

17 سورۃ یونس62:10-

18 بیہقی، ابو بکر، احمد بن الحسین، **شعب الایمان للبیہقی**، باب حب اللہ، رقم الحدیث: 447،336/1-

19 ابوالقاسم سلیمان بن احمد، **المعجم الصغیر للطبرانی**، باب کتاب الاولیاء، رقم الحدیث:681،203/1-

20 شہاب الدین، عمر، **عوارف المعارف**، مترجم عبدالستار طاہر،(لاہور: شبیر برادرز،2011ء)، ص345-46-

21 پرویز، غلام احمد، **تصوف کی حیثیت**،(لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ،2008ء)، ص37-

22 ایضاً، ص144-

23 ابوالاعلیٰ، مودودی، **تفہیم القرآن**،(لاہور: ادارہ ترجمان القرآن،1998ء)،577/3-

24 احمد، اسرار، **ہماری دینی وملی ذمہ داریاں اور قرب الٰہی کے دو مراتب**،(لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن،2008ء)، ص43-

25 ایضاً

26 احمد، اسرار، **بیان القرآن**،(لاہور: قرآن اکیڈمی،2010ء)،377/4-

27 غامدی، جاوید احمد، **البیان**،(لاہور: المورد،2016ء)،560/3-

28 قشیری، عبدالکریم، **رسالہ القشیریۃ فی علم التصوف**، مترجم مفتی محمد صدیق،(لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرتؒ،2009ء)، ص594-

29 سورہ مریم25:19-

30 الطوسی، ابونصر سراج، **کتاب اللمع فی التصوف**، مترجم اسرار بخاری،(لاہور: کتاب محل، س،ن)، ص319-

31 سورہ آل عمران37:03-

32 سورۃ النحل20، پارہ14

33 **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**،(لاہور:پنجاب یونیورسٹی،2010ء)،137/17-
34 سورۃ النمل40:16-
35 ابن کثیر،اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**،(بیروت:ادارہ اندلس،1385ھ)،400/3-
36 بھوپالی،صدیق حسن،**فتح البیان**،(بیروت:المکتبۃ العصریہ،1301ھ)،226/2-
37 سورۃ الکہف09:18-
38 رازی،محمد بن عمر،**تفسیر کبیر**،(بیروت:داراحیاء التراث العربی،1415ھ)،430/7-
39 آلوسی،محمد، **روح المعانی**،(بیروت:مطبوعہ دارالفکر،1417ھ)،306/11-
40 عثمانی،شبیر احمد،**حاشیہ عثمانی بر ترجمہ محمود الحسن**،(مکہ مکرمہ:مطبوعہ باہتمام مملکۃ السعودیہ،س،ن)،ص506-
41 تھانوی،اشرف علی،**بیان القرآن**،(لاہور:مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ)،747/2-
42 ابن کثیر،اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**،(بیروت:ادارہ اندلس،1385ھ)،407/1-
43 عینی،محمود بن احمد،**عمدۃ القاری**،(مصر:مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ،1348ھ)،283/7-
44 قاضی،عیاض،**اکمال المعلم بفوائد مسلم**،(بیروت:مطبوعہ دارالوفا،1419ھ)،12/8-
45 قسطلانی،احمد،**ارشاد الساری**،(مصر:مطبوعہ میمنہ،1306ھ)،412/5-
46 نووی،یحییٰ بن شرف،**شرح مسلم**،کراچی:مطبوعہ نور محمد اصح المطابع،1375ھ)،314/2-
47 عسقلانی،احمد بن علی،**فتح الباری**،(لاہور:مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ،1401ھ)،483/6-
48 نووی،یحییٰ بن شرف،**شرح مسلم**،کراچی:مطبوعہ نور محمد اصح المطابع،1375ھ)،314/2-
49 عینی،محمود بن احمد،**عمدۃ القاری**،(مصر:مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ،1348ھ)،283/7-
50 شعرانی،عبد الوہاب،**الیواقیت والجواہر**،(بیروت:مطبوعہ داراحیاء التراث العربی،1418ھ)،105/3-
51 پرویز،غلام احمد،**تفسیر مطالب الفرقان**،(لاہور:طلوع اسلام ٹرسٹ،1984ء)،310/1-
52 پرویز،غلام احمد،**تصوف کی حیثیت**،(لاہور:طلوع اسلام ٹرسٹ،2008ء)،ص145-
53 امام،حنبل،احمد،**فضائل الصحابة**،(بیروت:مؤسسۃ الرسالہ،س،ن)،رقم الحدیث:355،219/1-
54 بیہقی،احمد بن حسین،**دلائل النبوۃ**،(بیروت:مکتبہ دارالکتب العلمیہ،1985ء)،380/6-
55 ابونعیم،احمد بن عبد اللہ، **دلائل النبوۃ**،(بھارت:مکتبہ مجلس دائرہ معارف عثمانیہ،1950ء)،210/3-
56 ابوالاعلیٰ،مودودی،**تجدید و احیائے دین**،(لاہور:اسلامک پبلی کیشنز،س،ن)،ص109-
57 اصلاحی،امین احسن،**تزکیہ نفس**،(لاہور:فاران فاؤنڈیشن،2009ء)،ص183-
58 ایضاً،ص108-
59 تھانوی،اشرف علی،**التکشف عن مہمات التصوف**،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2005ء)،ص61-
60 گولڑوی،مہر علی،**تحقیق الحق فی کلمۃ الحق**،(لاہور:مکتبہ پرنٹنگ پروفیشنلز،2012ء)،ص126-
61 تھانوی،اشرف علی،**التکشف عن مہمات التصوف**،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2005ء)،ص69-
62 بخاری،محمد بن اسماعیل،**الصحیح للبخاری**،باب مرض النبی ﷺ،449/4،رقم الحدیث:4451-
63 مسلم بن حجاج،القشیری،**الصحیح للمسلم**،باب غزوۃ حنین،606/3،رقم الحدیث4613-
64 تھانوی،اشرف علی،**التکشف عن مہمات التصوف**،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2005ء)،ص103-
65 مجدد الف ثانی،احمد،**مکتوبات**،مترجم سعید احمد نقشبندی،(دہلی:حفیظ بک ڈپو،1971ء)،203/1-

66 قشیری، عبد الکریم، رسالہ القشیریۃ فی علم التصوف، مترجم مفتی محمد صدیق، (لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرتؒ، 2009ء)، ص678-

67 تھانوی، اشرف علی، التکشف عن مہمات التصوف، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005ء)، ص145-

68 ڈاکٹر، عبد الحیٔ، **بصائر حکیم الامتؒ**، (کراچی: سعید کمپنی، 1984ء)، ص143-

69 تھانوی، اشرف علی، التکشف عن مہمات التصوف، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005ء)، ص62-

70 گولڑوی، مہر علی، **تحقیق الحق فی کلمۃ الحق**، (لاہور: مکتبہ پرنٹنگ پروفیشنلز، 2012ء)، ص126-

71 تھانوی، اشرف علی، التکشف عن مہمات التصوف، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005ء)، ص61-

72 ڈاکٹر، عبد الحیٔ، **بصائر حکیم الامتؒ**، (کراچی: سعید کمپنی، 1984ء)، ص142-43-

73 تھانوی، اشرف علی، التکشف عن مہمات التصوف، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005ء)، ص61-